ایران اقبال کی نظر میں

اثر خامہ : ڈاکٹر سید علی رضا نقوی   ترجمہ : محمود احمد غازی

(یہ اس فارسی مقالہ کا اردو ترجمہ ہے جو " خانہ فرہنگ ایران " راولپنڈی میں اس جلسہ میں پڑھا گیا جو علامہ اقبال کی یاد میں ایرانی سفیر جناب ڈاکٹر محمد حسین مشایخ فریدنی کے زیر صدارت بروز ۱۲ مئی ۱۹۷۲ء منعقد ہوا تھا)

——:o:——

اقبال کو بچپن ہی سے فارسی شعر و ادب اور ایرانی ثقافت سے گہری دلچسپی تھی۔ سب جانتے ہیں کہ ان کے والد محترم ایک باحمیت مسلمان تھے۔ اقبال نے اس اسلامی ماحول میں آنکھ کھولی، اور یہی اسلامی حمیت جو ان کی سرشت میں موجود تھی ان کے اس بے پایاں عشق کی بنیادی وجہ تھی جو ان کو تمام اسلامی ممالک بالخصوص ایران سے تھا۔

اقبال سیالکوٹ (پاکستان) میں پیدا ہوئے، لیکن فارسی جیسی شیریں زبان کے آغوش محبت اور اس ایرانی فکر و ثقافت کے سائے میں جو انھیں اپنے روحانی بزرگوں سے وراثت میں ملی تھی پروان چڑھے۔ انھوں نے اردو زبان کی جس قدر خدمت کی اس سے بڑھ کر ان کا شمار فارسی زبان و ادب کے خدمت گزاروں اور ایران کے اسلامی عرفان و ثقافت کے قدر دانوں میں ہوتا ہے۔ فارسی زبان اور ایرانی ثقافت سے ان کا یہ دلی تعلق عطار، سنائی، رومی، سعدی، حافظ، خسرو، فیضی، نظیری، عرفی اور بیدل جیسے فارسی شعراء اور ادباء کی گرانبہا کتابوں کے مطالعہ اور تدبر کا نتیجہ تھا۔ یہ اسی دلی تعلق کا اثر تھا کہ اقبال نے ۱۹۰۷ء میں جامعہ میونخ سے فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کا علمی درجہ

حاصل کرنے کے لئے جو مقاله لکھا اس کے لئے انھوں نے ''ایران میں فلسفۂ ما بعد الطبیعیات کا ارتقاء'' جیسے موضوع کا انتخاب کیا۔ یه مقاله متعدد زبانوں میں ترجمه ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے که اس کتاب کی تصنیف کے وقت اقبال پر ابن عربی کے فلسفۂ وحدت الوجود کا گہرا اثر تھا اور یہی وجه ہے که انھوں نے اس کتاب میں اپنے آئنده مرشد، رومی کے افکار کا تذکره جیسا که چاہئے تھا نہیں کیا۔ ظاہر ہے که بعد کے زمانے میں ان پر ابن عربی کا زیاده اثر نه رہا، بلکه مولانا روم کے اثرات ان پر بڑھتے چلے گئے اور مولانا رومی کی تقلید کے اس راستے کو انھوں نے اپنی وفات تک اختیار کئے رکھا۔

اس میں کوئی شک نہیں که اقبال کی فارسی شعر گوئی جس کی ابتداء ۱۹۱۵ء میں مثنوی '' اسرار خودی '' کی تصنیف سے ہوئی ان الہامی اثرات میں سے ہے جو انھوں نے مولانا رومی کے افکار سے قبول کئے ہیں۔ یه مثنوی اور ایک دوسری مثنوی '' رموز بیخودی '' جو ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی مولانا روم ہی کی پیروی میں لکھی گئی تھیں۔ اقبال زمانۂ نو عمری ہی سے فارسی نظم و نثر کے مطالعه میں مصروف رہتے تھے۔ اس لئے وه تھوڑے ہی عرصه میں فارسی زبان کی حلاوت و شیرینی کے گرویده ہوگئے اور جلد ہی انھوں نے فارسی زبان کو اپنے قلبی واردات کے اظہار کے لئے اردو زبان پر ترجیح دینا شروع کر دیا۔ وه خود اعتراف کرتے ہیں:

گرچه ہندی در عذوبت شکر است   طرز گفتار دری شیرین تر است
فکر من از جلوه اش مسحور گشت   خامۂ من شاخ نخل طور گشت (۱)

اقبال نے اردو اور فارسی ہر دو زبانوں میں شعر کہے۔ ان کے سات مجموعے فارسی زبان میں ہیں، جب که اردو میں انھوں نے محض تین مجموعے یادگار چھوڑے ہیں۔ وه یه کر سکتے تھے که اپنے افکار کی تشریح و توضیح کے لئے صرف اردو کا انتخاب کرتے یا ٹیگور کی طرح بین الاقوامی زبان انگریزی کو،

جس پر وہ مکمل دسترس رکھتے تھے ، اپنے خیالات کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بنائے ، لیکن ایران اور ایرانی ادبیات سے ان کو جس قدر محبت اور دلی وابستگی تھی اس کی بناء پر انھوں نے فارسی زبان کو اپنے اسلامی افکار کی اشاعت کے لئے منتخب کیا ۔ کہتے ھیں :

تنم گلے زخیابان جنت کشمیر   دل از حریم حجاز و نوا ز شیراز ست(۲)

اقبال مولانا رومی کو اپنا پیر و مرشد سمجھتے تھے اور اپنی تصانیف میں بیشتر مقامات پر انھوں نے مولانا رومی کے افکار کی تقلید کی ھے ۔ کہتے ھیں :

مرشد رومی حکیم پاک زاد   سر مرگ و زندگی بر من کشاد (۳)

اسی طرح اپنے آخری مجموعۂ کلام ''ارمغان حجاز'' میں ایک مقام پر کہتے ھیں :

چو رومی در حرم دادم اذان من   ازو آموختم اسرار جان من
بدور فتنۂ عصر کہن او   بدور فتنۂ عصر روان من (۵)

اقبال کی اردو و فارسی تصانیف میں مولانا کی مثنوی اور دیوان شمس کے اشارات اس قدر کثرت سے ملتے ھیں کہ اس امر کی تردید کرنا مشکل ھو جاتا ھے کہ اقبال نے بزرگان سلف میں سے صرف مولانا رومی کو اپنے پیر و مرشد کے طور پر منتخب کر لیا تھا ۔ اس کے باوجود تصانیف اقبال کا عمیق و دقیق مطالعہ کیا جائے تو معلوم ھوتا ھے کہ انھوں نے صوفیوں اور بزرگوں کے تمام فارسی آثار مثلاً عطار کی منطق الطیر ، سنائی کی حدیقہ ، مولانا رومی کی مثنوی اور دیوان ، محمود شبستری کی گلشن راز اور میر سید علی ھمدانی اور فخرالدین عراقی کی تصانیف کا اسعان نظر سے مطالعہ کرکے ان سب کی روح کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا ۔ باوجودیکہ ان کے اجداد ھندو مذھب کے پیرو تھے لیکن

اس مطالعه کے اثر سے اقبال کے اندر اسلام اور اسلامی شعائر و ثقافت سے بےپناه عشق پیدا هوگیا تها - کهتے هیں :

مرا بنگر که در هندوستان دیگر نمی بینی

برهمن زاده (ای) رمز آشنای روم و تبریز است(۵)

ایک دوسرے مقام پر اسی مفهوم کو اس طرح ادا کیا هے :

اگرچه زادهٔ هندم فروغ چشم من است

ز خاک پاک بخارا و کابل و تبریز (۶)

اقبال ایران کی عظمت گذشته اور اس کے روشن مستقبل پر کامل یقین رکهتے تهے ، لیکن فرنگیوں کی اندهی تقلید کو پسند نهیں کرتے تهے - وه اس امر پر زور دیتے تهے که مغربی ثقافت پر ناقدانه نگاه ڈالنی چاهئے اور اس کی ظاهری چمک دمک کی پیروی کرنے کے بجائے علمی و فنی ترقی کے لئے وهاں کے جدید علوم و فنون سے استفاده کرنا چاهئے - اس طرح وه ”خذما صفا دع ما کدر“ کے قائل تهے - ”جاوید نامه“ میں نادر ان سے سوال کرتا هے :

خوش بیا اے نکته سنج خاوری　　　اے که می زیبد ترا حرف دری

محرم رازیم با ما راز گوی　　　آنچه میدانی ز ایران باز گوی (۷)

اس کے جواب میں اقبال اس اندهی تقلید پر گرفت کرتے هیں جو بعض اسلامی ممالک میں رواج پا گئی هے اور پهر کهتے هیں که ایران نے :

بعد مدت چشم خود بر خود کشاد　　　لیکن اندر حلقهٔ دامی فتاد

کشتهٔ ناز بتان شوخ و شنگ　　　خالق تهذیب و تقلید فرنگ

نقش باطل می پذیرد از فرنگ　　　سرگذشت خود بگیرد از فرنگ (۸)

آگے چل کر وه بتاتے هیں که ”تقلید صحیح“ کیا هے اور ”تقلید باطل“ کیسے کهتے هیں :

شرق را از خود برد تقلید غرب / باید این اقوام را تنقید غرب
قوت مغرب نه از چنگ و رباب / نی ز رقص دختران بے حجاب
محکمی او را نه از لا دینی است / نی فروغش از خط لا طینی است
قوت افرنگ از علم و فن است / ازهمین آتش چراغش روشن است
فکر چالاکی اگر داری بس است / طبع دراکی اگر داری بس است (۹)

اس کے بعد مشرق کی تقدیر کا ذکر کرتے ہوئے امید ظاہر کرتے ہیں کہ ایران کے رضا شاہ پہلوی اور افغانستان کے نادر شاہ اپنے عزم و تدبیر سے ان دونوں ملکوں کے مسائل حل کر لیں گے اور ان کو راہ مستقیم پر گامزن رکھنے میں ان کی راهنمائی کریں گے :

کس نداند شرق را تقدیر چیست؟ / دل بظاهر بسته را تدبیر چیست؟
آنچه بر تقدیر مشرق قادر است / عزم و حزم پهلوی و نادر است
پهلوی آن وارث تخت قباد / ناخن او عقدهٔ ایران کشاد (۱۰)

معاهدهٔ سعد آباد کے بعد اقبال نے مشرقی ممالک کے روشن مستقبل کی خوش خبری دی ، اور پیشینگوئی کی کہ مشرقی اقوام متحد ہو کر تہران کو اپنا مرکز قرار دیں گی اور اپنی بدبختی اور مصائب کے حل تلاش کریں گی اور اس طرح پوری دنیا کی تقدیر کو بدل کر رکھ دیں گی۔ ایک اردو شعر میں کہتے ہیں :

تہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا / شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے (۱۱)

اقبال کبھی ایران نہ جا سکے۔ ایرانیوں سے ان کی رسم و راہ اور خط و کتابت بھی بہت کم تھی ، لیکن ان کو ہمیشہ یہ آرزو رہی کہ ایران جا کر سعدی و حافظ کی آرامگاہوں پر حاضری دیں ۔ اپنی اس آرزو کا جو افسوس کہ

پوری نہ ہو سکی ، انھوں نے بارہا علانیہ طور پر اظہار بھی کیا ۔ مثال کے طور پر تقریباً ۴۰ سال قبل ۱۹۳۲ء کے موسم بہار میں استاد سعید نفیسی مرحوم کو اقبال کی کتاب '' زبور عجم '' کا ایک نسخہ اپنے کسی ہندی دوست کے ذریعے ملا ۔ استاد نے اقبال کو خط لکھا ۔ اس خط کے جواب میں اقبال لکھتے ہیں : '' کئی سالوں سے آپ کے وطن ایران جانے کی دلی آرزو رکھتا ہوں اور اپنی ذرہ نما ذات کا تنہا حاصل فارسی شاعری کو سمجھتا ہوں '' (۱۲)

اسی طرح استاد موصوف ہی کے نام ایک دوسرے خط میں بھی سفر ایران کی آرزو کو مکرر بیان کیا ہے ، لکھتے ہیں : '' جس طرح ایران کے دانشور اصحاب اس نیازمند سے ملاقات کی خواہش رکھتے ہیں ، یہ نیازمند بھی ان سے ملاقات اور خاک ایران کو دیکھنے کا آرزو مند ہے ۔ ممکن ہے کہ ناتوانی اور افسردگی خار راہ ثابت ہو ۔ جلد ہی افغانستان کا ایک سفر در پیش ہے ۔ آرزو ہے کہ ایک مرتبہ ایران کو دیکھنا بھی نصیب ہو جائے ۔ دوسرے آپ جیسے مشفق و مخدوم سے ملاقات کی خواہش ہے جو میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے چاہتا ہوں '' (۱۳)

یہ بات ذہن نشین ہو جانی چاہئے کہ ایران و افغانستان کے لئے اقبال کی اس محبت کا اصل محرک اسلام اور اسلامی تہذیب و تمدن سے ان کی محبت تھی ۔ ان کی ہمیشہ یہ آرزو رہی کہ تمام اسلامی اقوام ایک رشتۂ اخوت میں منسلک ہو کر ایک دوسرے کی حفاظت و تقویت کا باعث بنیں ۔ انھوں نے وطن پرستی کے بیجا تعصب کو قابل نفرین ٹھہرایا اور تمام مسلمانان عالم کو اسلام کے واحد پرچم تلے جمع ہونے کی دعوت دی :

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم   چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است   کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم (۱۴)

آخر میں ہم اپنی اس امید کا اظہار کرتے ہیں کہ مستقبل قریب میں وہ روز سعید آئے گا جب اتحاد عالم اسلامی کا تصور ایک امر واقعہ کی صورت

اختیار کرلے گا۔ ملت اسلامیہ سے ہر قسم کے لایعنی اختلافات و تعصبات ختم ہو جائیں گے۔ مسلمانوں میں قومی اتحاد اور اٹوٹ رشتۂ محبت قائم ہوگا۔ جنیوا کے بجائے تہران اس اتحاد کا مرکز قرار پائے گا جہاں تمام اسلامی ممالک اپنے اختلافات کے حل و فصل اور اپنی مشکلات کی عقدہ کشائی کے لئے جمع ہوا کریں گے اور اپنی تقدیر بدلنے کے لئے مسلسل سعی و کوشش سے کام لیں گے۔ یہاں تک کہ زندگی کے تمام معاملات میں وہ خوش بخت اور شاد کام ہوں گے اور اقبال کی پاک روح کو جسے مدت العمر اس مبارک دن کے دیکھنے کی تمنا رہی شاد کریں گے۔

حواشی

۱) اسرار خودی ، طبع سوم ۱۹۴۸ء لاہور ، ص ۱۱
۲) پیام مشرق ، طبع دہم ، ۱۹۶۳ء لاہور ، ص ۲۱۴
۳) ایضاً ، ص ۷
۴) ارمغان حجاز ، طبع ہفتم ۱۹۵۹ء لاہور ، ص ۷۷
۵) زبور عجم ، طبع چہارم ۱۹۴۸ء لاہور ، ص ۱۷
۶) پیام مشرق ، ص ۲۰۳
۷) جاوید نامہ ، طبع چہارم ۱۹۵۹ء لاہور ، ص ۲۰۳
۸) ایضاً ، ص ۲۰۳ ، ۲۰۴
۹) ایضاً ، ص ۲۰۸ ، ۲۰۹
۱۰) ایضاً ، ص ۲۱۱
۱۱) ضرب کلیم ، طبع دہم ۱۹۵۹ء ، ص ۱۴۹
۱۲) "اقبال ایرانیوں کی نظر میں" از ڈاکٹر عبدالحمید عرفانی ، مطبوعہ اقبال اکاڈمی ۱۹۵۷ء کراچی ، ص ۱۰۶
۱۳) ایضاً ، ص ۱۰۷ ، ۱۰۸
۱۴) پیام مشرق ، ص ۵۲